اِسلام میں شعورِ جمالیات کی تربیّت

ذاتِ حق کا تصوّر

پروفیسر سیّد محمد سلیم صاحب

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو قسم کی عقلوں سے نوازا ہے۔ ایک عقل تجزیاتی یا استدلالی ہے۔ عقل تجزیاتی کا میدان عمل ساری مادی دُنیا ہے۔ اس کی ساری تگ و دو "کیا ہے" کے تحت آتی ہے۔ دوسری عقلِ کلی (فلسفہ)، یا عقلِ وجدانی (تصوف)، یا عقلِ تخلیقی (فنونِ لطیفہ) ہے۔ عقلِ کلی کا رُخ ماوراء الطبیعیات عالم کی طرف ہے۔ وہ ذاتِ حق سے تقرب کی خواہشمند ہوتی ہے۔ بقول اقبال عقلِ استدلالی قاہری کرنا چاہتی ہے اور عقلِ کلی دلبری کرنا چاہتی ہے۔

یہ بات تو تمام اقوام میں مشترک ہے کہ عقلِ کلی یا وجدانی ذاتِ حقیقتِ کبریٰ سے تقرب چاہتی ہے۔ البتہ مذہبی، ذوقی اور تاریخی عوامل کی اثر اندازی کے نتیجہ میں اقوامِ عالم کے یہاں حقیقتِ کبریٰ کا تصور، اس کے مظاہرات اور پھر اس سے تقرب حاصل کرنے کے طریقے مختلف ہوگئے ہیں۔ ہر قوم کا مذہبی ذوق اور طریقہ عبادت مختلف ہے۔ اس فضا میں تربیت پاکر مختلف اقوام کے افراد کے یہاں عقلِ کلی یا ذوقِ جمالیات مختلف انداز میں متشکل ہوا ہے۔ حقیقتِ کبریٰ کا تصوّر ان کے یہاں مختلف ہے۔ عبودیت کے طریقے مختلف ہیں۔ پھر افراد نے تقرب کے راستے مختلف اختیار کیے ہیں۔ اِن سب باتوں میں جب اختلاف ہے تو ذوقِ جمالیات کا اظہار جن فنون کی شکل میں ہوا ہے وہ بھی مختلف ہیں۔ دوسری اقوام سے قطع نظر ہمیں صرف مسلمانوں کے شعورِ جمالیات اور ذوقِ حسن کی صورت گری اور تشکیل سے دلچسپی ہے۔ اس لیے

اس کو ہم قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ تصورِ ذاتِ حق ذوقِ جمالیات کی تشکیل و صورت گری میں سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔

انسانی افکار و عقائد کی طویل تاریخ میں حقیقتِ کبریٰ کے صرف دو تصورات ملتے ہیں۔ ایک بُت پرستی اور صورت پرستی کا تصور ہے۔ چونکہ ؎

خوگرِ پیکرِ محسوس ہے انسان کی نظر

اس لیے قدیم زمانہ سے انسان نے ذاتِ حق کو کسی نہ کسی محسوس اور مادی شکل میں پیش کیا ہے، خواہ وہ مناظرِ فطرت ہوں، مصنوعاتِ قدرت ہوں یا دستِ انسانی کے خود ساختہ بُت اور مجسمے ہوں، تقریباً تمام ہی قدیم اقوام کسی نہ کسی نوع کی بُت پرستی میں مبتلا رہی ہیں۔

بُت پرستی کا باطل ہونا بدیہی امر ہے۔ یہ حقیقت فی نفسہٖ کے خلاف ہے۔ یہ انتہائی پست تصور ہے۔ وہ کوئی انتہائی پست اور غلیظ مادی ذہنیت کا حامل انسان تھا جس نے ذاتِ حق کا تصور مادی بُت کی صورت میں کیا۔ حق اور حقیقت کی ادنیٰ سی جھلک بھی اُس کے نہاں خانہ دماغ میں نفوذ نہیں کر سکی۔ بُت پرستی انسانیت کی توہین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ کائنات کی ساری قوتوں کو انسان کے لیے بالقوۃ مسخر کر دیا ہے تاکہ اپنے طویل قیامِ ارضی میں وہ ان قوتوں کو بالفعل مسخر کرتا رہے۔ بت پرستی انسان کو یہ سکھاتی ہے کہ وہ ان قوتوں کی پرستش کرے۔ اور ان کے سامنے سجدہ ریز ہو، جو ازل میں انسان کے سامنے سجدہ ریز ہو چکی ہیں۔ جو انسان کے زیرِ نگیں ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ بادشاہ کا مقرب وزیر دُور علاقے میں کسی تحصیلدار کے سامنے چپڑاسی بن کر دست بستہ کھڑا ہو جائے۔ گویا اُس نے اپنے تقرب شاہی کی اہمیت کو سمجھا ہی نہیں۔ وہ کوئی بے شعور انسان ہے۔ بُت پرستی انسان کے مقصدِ تخلیق کی راہ میں حارج ہے۔ مطلوب تو یہ ہے کہ انسان طبعی اشیاء اور فطری قوتوں کو مسخر کرے اور اپنے تصرف میں لائے۔ اب اگر وہ ان کی تقدیس کرتا ہے تو ان کو مسخر کیسے کر سکتا ہے۔ ان سے خدمات کیسے لے سکتا ہے۔ جو لوگ چاند کو اپنا دیوتا تصور کرتے ہیں وہ چاند کی سرزمین کو اپنے پیروں تلے کیسے روند سکتے ہیں۔

بُت پرستی انسان کے لیے بدترین قسم کی غلامی اور قید ہے۔ ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کی قید

صرف ظاہری جسم کی قید ہوتی ہے۔ دل ودماغ اس قید کی حالت میں بھی آزاد رہتے ہیں۔
غور وفکر کو بیڑی نہیں پہنائی جاسکتی۔ لیکن بت پرستی ذہن کو مقید کر دیتی ہے۔ فکر و فہم
کو بیڑی پہنا دیتی ہے۔ بت کے سامنے سجدہ کرنے والا انسان ایک بند ذہن کا ہوتا
ہے۔ بت پرستانہ رسومات، دیومالائی قصوں اور طول وطویل گورکھ دھندوں میں پھنسا ہوتا ہے۔
اگر ژرف نگاہی سے غور کیا جائے تو صاف نظر آجاتا ہے کہ کوئی نہ کوئی انسان خدائی کے
تخت پر براجمان ہے۔ وہ پنڈت ہو یا پروہت، بہرحال ایک انسان ہے، جو اپنے جیسے
لاکھوں انسانوں پر حکومت کر رہا ہوتا ہے۔ دلوں پر قبضہ کیے ہوتے ہے۔ سارے انسان
اس کی جابرانہ گرفت میں ہیں۔ فاتح اور بادشاہ اگر غلام بناتے ہیں تو ایک دو پشت کے
بعد اُن کی قوت کمزور پڑ جاتی ہے۔ اور محکوموں کی بیڑیاں کٹ جاتی ہیں۔ مگر یہ پنڈت لوگ
ایسا فکری دیومادر گھر کر جاتے ہیں کہ سینکڑوں کیا صدیوں کے بعد بھی محکوم کو غلامی سے نجات
نہیں ملتی ہے۔ آریوں کا محکوم، ہندوستان کا اچھوت آج چار ہزار سال کے بعد بھی اسی طرح
ذہناً اور جسماً محکوم اور غلام ہے۔

بت پرستی نے جس شخص کو ذہناً بے حس اور قلباً مُردہ کر دیا ہو وہ انسان کہاں رہا۔ نہ اس
کے پاس آزادی رائے ہے اور نہ آزادی ارادہ ہے۔ وہ ایک محکوم العقل اور مسلوب الاختیار
حیوان بن جاتا ہے۔ شرک وبت پرستی انسان کو شرف انسانیت سے محروم کر دیتی ہے۔ ایسا آدمی
خلیفۃ اللہ فی الارض کے فرائض کیسے ادا کر سکتا ہے۔ انسانیت شرف انسانیت سے محروم کر
دینا اتنا بڑا ظلم ہے کہ اس سے بڑا ظلم اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

اس لیے شرک وبت پرستی کی قرآن مجید شدید الفاظ میں مذمت کرتا ہے۔

يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ

(لقمان ۔ ۱۳)

"بیٹا! خدا کے سامنے کسی کو شریک نہ کرنا، حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا
ظلم ہے۔"

فاجتنبوا الرجس من الاوثان ۔ (حج - ۳۰)

"پس بتوں کی گندگی سے بچو۔"

ومن یشرک باللہ فکانما خر من السمآء فتخطفہ الطیر

او تھوی بہ الریح فی مکان سحیق ۔ (حج - ۳۱)

"اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر گیا۔ اب یا تو اسے پرندے اُچک کر لے جائیں گے یا ہوا اس کو ایسی جگہ لے جا کر پھینک دے گی جہاں اس کے چیتھڑے اُڑ جائیں گے۔"

یہی وجہ ہے کہ انتہائی سخت الفاظ میں قرآن مجید نے شرک کی مذمت کی ہے۔

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشآء ۔ ومن یشرک باللہ فقد افتریٰ اثماً عظیماً ۔

(نساء - ۴۸)

"اللہ شرک کو ہرگز معاف نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے، معاف کر دیتا ہے۔ اللہ کے ساتھ جس کسی نے شریک ٹھہرایا۔ اس نے سب سے بڑا جھوٹ تصنیف کیا اور اس نے بہت سخت گناہ کی بات کی ہے۔"

دوسرا تصور وہ طرز فکر ہے جو قدیم زمانہ سے بعض فلسفی اور ہمہ اوستی فقراء کا طریقہ رہا ہے۔ انہوں نے کوشش کی خدا کے تصوّر کو صورت گری اور صنم پرستی سے بچائیں۔ بچاتے بچاتے وہ اتنی دُور نکل گئے کہ ذاتِ خداوند کو انہوں نے ہر قسم کی صفات سے عاری کر دیا۔ ان کے یہاں تنزیہہ (نیستی نیستی) کے جذبہ نے اس قدر غلو اختیار کیا کہ آخر میں الوہیت کا تصوّر ایک ایسا وجود یا ہیولیٰ رہ گیا جس کا تصوّر قائم کرنا عقلِ بشری کے لیے ناممکن نہیں تو انتہائی متعذر ہے۔ ہندوستان کے ویدانتی فلسفی ہوں یا یورپ کے ہمہ اوستی فلسفی جیسے اسپی نوزا، سب تنزیہہ کے لق و دق صحرا میں سرگرداں ہیں جن کے ہاتھ بالکل خالی ہیں۔ مسلمانوں میں ہمہ اوستی صوفیاء بھی اسی راہ پر پڑ گئے۔ بابا فغانی ان کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مشکل حکایتے است کہ ہر ذرہ عین اوست
اما نمی تواں کہ اشارت باو کنند

عجیب مشکل آن پڑی ہے۔ ایک طرف تو یہ بات ہے کہ ہر ذرہ عین ذات ہے۔ دوسری طرف مشکل یہ ہے کہ کسی طرف اشارہ بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اگر اشارہ کیا تو وہ مقید ہو گیا۔ مطلق نہ رہا۔ اور جو مقید ہو گیا وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔

پہلا تصور بھی غلط ہے اور دوسرا تصور بھی غلط ہے۔ چند خشک مغز فلسفیوں کے علاوہ کوئی بھی ایسے خدا کا تصور نہیں کر سکتا جو تمام صفات سے عاری ہو۔ اور ایسا خدا انسان کے دکھوں کا کیا مداوا ہو سکتا ہے۔ اس لیے عوام الناس ان فلسفیوں کا ساتھ نہ دے سکے۔ انہوں نے نیچے گر کر خوب بت پرستی کی۔ اور ان فلسفیوں نے اس کو عوام کے لیے مباح قرار دے دیا۔ صوفیا کے یہاں بھی یہی تماشا ہے۔ ایک طرف تو تنزیہ کا یہ عالم ہے کہ اشارہ کرنا بھی منع ہے۔ دوسری طرف قبر پرستی نے بت پرستی کو بھی مات کر دیا ہے اور عملاً تمام صوفیاء عظام نے چشم پوشی کر رکھی ہے۔ اور اغماض برت رکھا ہے۔

قرآن مجید نے ان دونوں انتہاؤں سے ہٹ کر راستہ بنایا ہے کہ اس کائنات کی حقیقت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اللہ نور السمٰوٰت والارض (نور - ۳۵)

" اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔"

مگر وہ ہمارے حواس کی گرفت سے ماوری ہے۔

لاتدرکه الابصار وهو یدرک الابصار وهواللطیف الخبیر۔ (انعام - ۱۰۳)

" نگاہیں اس کو نہیں پاسکتی ہیں۔ وہ نگاہوں کو پالیتا ہے۔ وہ نہایت لطیف اور باخبر ہے۔"

اس لیے دنیا کی کسی مادی شے سے اس کو تشبیہ نہیں دی جاسکتی ہے۔

لیس کمثلہ شیٔ وھو السمیع العلیم (شوریٰ - ۱۱)

"کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں ہے۔ وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔"

اسی طرح وہ مادہ سے اور مادیت سے ماوراء الوراء ہے۔ انسانی فہم کی حد سے باہر ہے

نہ پہنچی وہاں تک خرد کی کمند
بہت اونچی ہے ان کی بام بلند

یہ تو تنزیہی پہلو ہے۔ دوسری طرف قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کو بہترین صفات حسنہ سے متصف بتایا ہے۔ رحمٰن اور رحیم کی صفات کا ذکر قرآن مجید میں بتکرار آیا ہے۔ الرحمٰن الرحیم

اللہ لا الہ الا ھو، لہ الاسماء الحسنیٰ (طٰہٰ - ۸)

"وہ اللہ ہے۔ اس کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کے لیے بہترین نام (صفات) ہیں۔"

وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا وذروا الذین یلحدون فی اسمائہ (اعراف - ۱۸۰)

"اللہ اچھے ناموں کا مستحق ہے۔ اس کو اچھے ناموں سے پکارو، اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے نام رکھنے میں راہ راست سے منحرف ہو کر۔"

یہاں یک طرفہ معاملہ نہیں ہے۔ وہ ایسا اللہ ہے جو بندوں کی پکار سنتا ہے۔

واذا سالک عبادی عنی فانی قریب - اجیب دعوۃ الداع اذا دعان - فلیستجیبوالی - والیومنوا بی لعلھم یرشدون - (بقرہ - ۱۸۶)

"اور اے نبی! میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں، تو انہیں بتا دو کہ میں ان سے قریب ہوں - پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے، میں اس کی پکار سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں لہٰذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ ہی پر ایمان لائیں - شاید کہ وہ راہ راست پر آ جائیں۔"

اس کائنات میں انسان خود کو تنہا اور اجنبی محسوس کرتا ہے۔ دل کی دنیا میں جب وہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو اُس کو قلبی سکون حاصل ہوتا ہے۔

الذین آمنوا وتطمئن قلوبھم ۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ۔ (رعد ۔ ۲۸)

"یہی لوگ ایمان لے آئے ہیں ۔ ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے ۔ خبردار رہو، اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے"

جب اس کائنات میں ایک ہی ہستی اللہ تعالیٰ کی ایسی ہے جو وجہ سکون ہے جو ذریعۂ طمانیت قلب ہے تو پھر بندہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔

ومن الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً یحبونھم کحب اللہ ۔ والذین آمنوا اشد حباً للہ ۔ (بقرہ ۔ ۱۶۵)

"کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اُس کا ہمسر اور مدمقابل ٹھہراتے ہیں ۔ اور اُن کے ایسے گرویدہ ہو جاتے ہیں جیسے اللہ کے ساتھ گرویدگی ہونی چاہیے حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں"۔

اور اللہ کے بندے صرف اللہ سے محبت کرتے ہیں ۔ دل و دماغ جذبات (طور و غرض) کی پوری قوت کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔

ذاتِ حق کا تصور قائم کرنے کے لیے قرآن مجید نے فکرِ انسانی کو مادی اور جسمانی آلائشوں سے پاک کر دیا ۔ بُت پرستی کو حرام قرار دے دیا ۔ صورت پرستی سے ہٹا کر معنویت کی راہ پہ ڈال دیا ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ہر قسم کی تصویر سازی کی ہی مذمت کر دی۔ آپ نے فرمایا:

ان اشد الناس عذابا عند اللہ یوم القیامۃ المصورون

"قیامت کے دن اللہ کے یہاں سب سے زیادہ عذاب تصویر بنانے والوں کو دیا جائے گا"

تصویر سازی اور بُت پرستی کے خلاف اسلام نے اس شدت سے صور پھونکا کہ خود بُت پرست اقوام متاثر ہو گئیں۔ اور اُن کا انداز معذرت خواہانہ ہو گیا۔

معنویت یعنی فہم و فکر کی دُنیا کے بسط کا معاملہ بھی کچھ آسان نہیں ہے۔ یہاں بھی ٹھوکر کھانے اور لغزش کھانے کے کچھ کم نہیں ہیں۔ قدیم زمانہ میں کتنے ہی فلسفہ اس راہ میں گم ہو گئے ہیں۔ انسان کی رہنمائی کے لیے قرآن مجید نے یہاں صفاتِ حسنہ کے سنگِ میل راہ پر نصب کر دیئے ہیں۔ صفاتِ حسنہ کی رہنمائی میں یہ سفر عقلی وجدانی کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ صفات ذاتِ حق کا وہ تصور قائم کرتی ہیں جس سے دل و دماغ کے سارے تقاضے پورے ہو جاتے ہیں۔ ساری پیاس بجھ جاتی ہے۔ ان صفات سے انسان کو سکونِ قلب اور راحتِ جان میسر آسکتی ہے۔ اِن صفات کے حسن و لطافت سے بے خود ہو کر انسان ذاتِ حق سے شدید محبت کرنے لگتا ہے۔ ان صفات نے ذاتِ حق کا قابلِ فہم اور قابلِ یافت تصور متشکل کیا ہے۔ بھٹکتی انسانیت کو راہ راست دکھاتی ہے۔

خواتین کیلیے تین خوبصورت کتابیں

۱۔ شمعِ حرم	محمد یوسف اصلاحی	۱۲/- روپے
۲۔ عورت اور اسلام	جلال الدین عمری	۹/- ″
۳۔ عورت قرآن کی نظر میں	شبیہہ محسن	۱۲/- ″

البدر پبلی کیشنز۔ ۲۳ راحت مارکیٹ۔ اردو بازار لاہور ۲